بسم الله الرحمن الرحيم

فضيلة الشيخ المفتي / تقي عثماني حفظه الله تعالى

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

١- داخل میقات رہنے والے اگر اشہر حج میں عمرہ کریں اور پھر اسی سال حج کریں تو ان پر دم لازم آتا ہے، لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر یہ حضرات عمرہ کرنے کے بعد میقات سے باہر چلے جائیں مدینہ یا ریاض وغیرہ تو ان کا عمرہ باطل ہوجاتا ہے اور حج کرنے پر دم لازم نہیں آتا، فما المعتمد في هذا مع ذكر المرجع والمستند؟

٢- اسی طرح اہل مکہ کسی غرض سے اشہر حج میں مدینہ منورۃ یا طائف جائیں اور پھر واپسی پر عمرہ کرتے ہیں تو کیا ان پر بھی حج کرنے کی شکل میں دم واجب ہوتا ہے؟

٣- فقہ کی عام کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ وطن اقامت سفر سے باطل ہوجاتا، اور اکابر علماء کا فتوی بھی یہی ہے، خواہ بیوی بچے اور سامان وطن اقامت میں باقی رہیں یا نہ رہیں، کما في فتاوى دار العلوم ديوبند (٤/ ١٧٦، ٤٦٣، ٤٥٦، ٤٥٤، ٤٤٨)، و امداد المفتين (٣٢١/٢)، و فتاوى محموديہ مرتب (٤٩٣/٧، ٥٢٠) وفتاوى رحيمية مرتب (١٧٢/٥، ١٧٧) لیکن موجودہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ بقاء اہل وثقل سے وطن اقامت باقی رہتا ہے، سفر سے باطل نہیں ہوتا، واپسی پر اگر پندرہ سے کم رہنے کی نیت ہو تب بھی اتمام کریگا، استدلالاً بما في البحر ١٣٦/٢: «وطن الاقامة يبقى ببقاء الثقل وان أقام بموضع آخر»، فما المعتمد؟

محمد عمر الندوي

مجمع الفقه الإسلامي جدة

٥/ ١٢/ ١٤٢٨هـ

الجواب بعون ملهم الصواب

(١)(٢) قول صحیح کے مطابق مکی، حلی یا میقاتی اگر اشہر حج داخل ہونے کے بعد آفاق میں جائیں تو بھی انکا حکم متغیر نہیں ہوتا ہے اور وہ اس صورت میں بھی حکم مکی ہی رہتے ہیں اسی لئے فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ مکی (حلی یا میقات میں رہنے والا) اگر اشہر حج داخل ہونے کے بعد آفاق میں جائے تو بھی اسکا قران صحیح نہیں ہوگا۔ جیساکہ زبدۃ المناسک صفحہ ٣٠٧ پر ہے:

''مسئلہ۔ اگر مکی اشہر حج سے پہلے میقات سے باہر آفاق میں نکل گیا تو واپس آتے وقت قران جائز ہے (شامی عن العنایہ و غنیہ) مسئلہ۔ اگر اشہر حج میں مکہ مکرمہ سے آفاق کو گیا تو قران کرنا جائز نہیں اگر قران کا احرام باندھا ہے تو عمرہ چھوڑ دے الخ''

وفي غنية الناسك: ٢٢٥

"وقيد الإمام المحبوبي في الجامع الصغير ومشى عليه في اللباب بأن المكي انما يصح قرانه اذا خرج الى الآفاق قبل أشهر

تاریخ اصل فتاویٰ	نام و پتہ مستفتی	مضمون سوال و جواب

الحج فأما اذا دخل عليه أشهر الحج وهو بمكة صار ممنوعا من القران شرعا فلا يتغير ذالك بخروجه من الميقات هكذا روى عن محمد اهقال محمد بن سماعة عن محمد فأما اذا دخل عليه أشهر الحج وهو بمكة أو داخل الميقات ثم خرج الى الكوفة ثم قرن لم يصح قرانه عند ابى حنيفة -رحمه الله- لأنه بالخروج بعد ذالك لا يتغير حكمه،هو الصحيح،كذا فى حاشية الشلبى عن الكرمانى"

وفى بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - (ج ٣ / ص ٥٢)

"فأما إذا دخلت عليه أشهر الحج، وهو بمكة ثم خرج إلى الكوفة فقرن لم يصح قرانه؛ لأنه حين دخول الأشهر عليه كان على صفة لا يصح له التمتع، ولا القران في هذه السنة ؛ لأنه في أهله، فلا يتغير ذلك بالخروج إلى الكوفة"

وفى تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - (ج ٣ / ص ٤٥٣)

" قال محمد بن سماعة عن محمد رحمه الله إنما يصح قران المكي إذا خرج إلى الكوفة أو إلى ميقات من المواقيت، وجاوزه قبل أشهر الحج فأما إذا دخلت عليه أشهر الحج، وهو بمكة ، أو داخل المواقيت ثم خرج إلى الكوفة ثم قرن لم يصح قرانه عند أبي حنيفة ؛ لأنه لما دخلت أشهر الحج عليه ، وهو في أهله أو بمكة فقد صار بحال لا يصح منه قران، ولا تمتع على ما أصلنا في هذه السنة فبالخروج منها بعد ذلك لا يتغير حكمه، وهو الصحيح اهـ "

وفى درر الحكام شرح غرر الأحكام - (ج ٣ / ص ١٢١)

(قوله المكي يفرد فقط) أقول كذلك أهل ما دون المواقيت إلى الحرم، وهذا ما دام مقيما بمكة أو وطنه فإذا خرج إلى الكوفة وقرن صح بلا كراهة؛ لأن عمرته وحجته ميقاتان فصار بمنزلة الآفاقي قال المحبوبي رحمه الله هذا إذا خرج إلى الكوفة قبل أشهر الحج وأما إذا خرج بعدها فقد منع من القران فلا يتغير بخروجه من الميقات كذا في العناية وقول المحبوبي هو الصحيح نقله الشيخ الشلبي عن الكرماني

جب صحیح قول کے مطابق اشہر حج داخل ہونے کے بعد میقات سے باہر جانے کی صورت میں یہ حضرات بحکم مکی ہی رہتے ہیں تو اسکا تقاضا یہ ہے کہ اشہر حج داخل ہونے کے بعد عمرہ ادا کر کے میقات سے باہر جانا پھر اسی

سال آفاق سے حج کا احرام باندھکر صرف حج کرنا یا اشہر حج داخل ہونے کے بعد کوئی عمرہ کئے بغیر آفاق میں نکلنا اور وہاں سے تمتع کرنا احناف کے ہاں ممنوع من التمتع ہونے کے اعتبار سے دونوں صورتوں کا حکم یکساں ہو۔

لیکن کیا اس صورت میں اگر شخص مذکور آفاق سے آتے وقت (پہلی صورت میں) حج کرے، یا (دوسری صورت میں) تمتع کرے تو اس پر دم لازم ہوگا یا نہیں تو اس بارے میں درج ذیل تفصیل سمجھ آتی ہے:

(ا) چونکہ احناف کے نزدیک مکی، حلی اور میقاتی کے لئے تمتع اور قران ناجائز ہے لھذا ان میں سے جن حضرات پر اس سال حج کی ادائیگی فرض یا واجب ہو یا جو حضرات اسی سال حج کا ارادہ رکھتے ہوں انکے واسطے اشہر حج داخل ہونے کے بعد عمرہ کرنا مذہبِ احناف کی رو سے ممنوع ہوگا اور عمرہ ادا کرنے کی صورت میں ارتکابِ ممنوع کی وجہ سے گنہگار ہونگے اور اسی سال حج کرنے کی صورت میں تمتع ممنوع کے ارتکاب کی وجہ سے ان پر دم جنایت بھی واجب ہوگا خواہ یہ حج مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے کریں یا خارج میقات جانے کے بعد واپس آتے وقت کریں بہر صورت منہی عنہ کا ارتکاب لازم آیگا اور دم جنایت لازم ہوگا نہ کہ دم شکر اس لئے اس دم کا گوشت نہ وہ خود کھا سکتے ہیں اور نہ ہی کسی غنی کو کھلا سکتے ہیں بلکہ اسکا سارا گوشت فقراء و مساکین کو دینا واجب ہے لھذا صورت مسئولہ میں اشہر حج داخل ہونے کے بعد عمرہ ادا کر کے خارج میقات جانے والا شخص اگر اسی سال حج کریگا تو اس پر بہر صورت دم جنایت واجب ہوگا۔ کما فی البحر الرائق: فالحاصل أن المكي إذا أحرم بعمرة في أشهر الحج فإن كان من نيته الحج من عامه فإنه يكون آثما لأنه عين التمتع المنهي عنه لهم فإن حج من عامه لزمه دم جناية لا دم شكر (تفصیل کے واسطے ملاحظہ ہو عبارت نمبر ۱۰)

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ اس سال حج کرنے کا ارادہ نہیں تھا اسلئے اشہر حج میں عمرہ کیا تو اس صورت

میں چونکہ احناف کے مشہور اور مفتیٰ بہ قول کے مطابق مکی کے لئے عمرہ کرنے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے بلکہ مکی کے واسطے بھی اشہر حج میں عمرہ ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے جس طرح آفاقی کے واسطے جائز ہے اس لئے اس عمرہ کی وجہ سے کسی منہی عنہ کا ارتکاب یا کوئی گناہ لازم نہیں آیا، لیکن اگر یہ شخص اسی سال حج بھی کرے تو کیا اس صورت میں اسپر کوئی دم آیگا یا نہیں تو اسمیں یہ تفریق تو درست معلوم نہیں ہوتی کہ آفاق جانے کے بعد واپسی کے وقت کرے تو عدم دم کا حکم ہو اور مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے کرے تو دم لازم ہو کیونکہ آفاق سے واپسی کے وقت شخص مذکور حج کرنے پر شرعا مجبور نہیں ہے اس لئے دونوں صورتوں میں ایک ہی اشہر حج میں عمرہ اور حج کو قصداً جمع کرنے کا ارتکاب لازم آیگا جسکا تقاضا یہ ہے کہ اس صورت میں بھی اس پر دمِ جنایت واجب ہو بلکہ ان مشائخ کے ہاں دم کی صراحت بھی موجود ہے جو مکی کے تمتع پر دمِ جنایت کو لازم قرار دیتے ہیں۔ کما فی البحر الرائق: وإن لم يكن من نيته الحج من عامه و لم يحج فإنه لا يكون آثما بالاعتمار في أشهر الحج لأنهم وغيرهم سواء في رخصة الاعتمار في أشهر الحج وما في البدائع من أن الاعتمار في أشهر الحج للمكي معصية محمول على ما إذا حج من عامه وإذا قرن فإنه يكون آثما أيضا ويلزمه دم جناية وفي الهداية بخلاف المكي إذا خرج إلى الكوفة وقرن حيث تصح لأن عمرته وحجته ميقاتيتان فصار بمنزلة الأفاقي قال الشارحون قيد بالقران لأنه لو تمتع فإنه لا يصح ويلزمه دم جناية لوجود الإلمام الصحيح بينهما فقد فرقوا بين التمتع والقران فشرطوا في التمتع عدم الإلمام دون القران الخ" (تفصیل کے واسطے ملاحظہ ہو عبارت نمبر ۱۰)

البتہ اس اعتبار سے اس پر غور کیا جانا چاہئے کہ اس صورت میں اگر عمرہ کی ادائیگی کے بعد شخص مذکور پر حج لازم ہوا ہو مثلاً نابالغ تھا بعد میں بالغ ہوا ہو یا اسکی نذرِ معلق کی شرط عمرہ ادا کرنے کے بعد پوری ہوئی ہو یا واپسی کے وقت وہ حج کرنے پر مجبور ہو مثلاً نویں ذوالحجہ کو واپس آنے پر مجبور ہو تو کیا اس صورت میں بھی اس پر دمِ جنایت لازم ہو؟ ہمارے نزدیک اس صورت میں دمِ جنایت کے وجوب یا عدمِ وجوب میں اگلی صورت میں بیان کردہ تفصیل کے مطابق عمل ہونا چاہئے۔

(ج) اہل مکہ اور وہاں مقیم آفاقی میں سے جو لوگ اسی سال حج کا ارادہ رکھتے ہیں انکے واسطے چونکہ اشہر حج داخل ہونے کے بعد عمرہ ادا کرنا منع ہے اس لئے انہوں نے اشہر حج داخل ہونے کے بعد کوئی عمرہ نہیں کیا لیکن حج کے مہینوں میں اپنی ضرورت و حاجت سے حدود میقات سے باہر کا سفر کرنے پر مجبور ہوگئے، یا یہ انکی مستقل مجبوری ہے اس لئے آفاق چلے گئے ہیں تو اب اپنے گھر واپس آنے میں چونکہ یہ حضرات شرعا اس بات کے پابند ہیں کہ حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر آئیں اور بغیر احرام آنا نہ صرف ناجائز اور گناہ ہے بلکہ بغیر احرام کے آنے کی صورت میں بلا احرام تجاوزِ میقات کی وجہ سے ان پر دم جنایت لازم ہوگا اس لئے اب (احرام کے حوالے سے) وہ اپنے گھر واپس آنے میں تین صورتوں میں سے کوئی اختیار کر سکتے ہیں۔

(۱) پہلی شکل:

اس سال حج کرنے کے لئے باہر سے حج کا احرام باندھکر ہی آئیں؟ خواہ کتنا طویل عرصہ احرام میں رہنا پڑے۔

(۲) دوسری شکل:

عمرہ کا احرام باندھکر واپس آجائیں اور عمرہ ادا کر کے حلال ہو جائیں لیکن اب اس سال حج نہ کریں، حج کو چھوڑ دیں۔

(۳) تیسری شکل:

عمرہ کا احرام باندھکر آجائیں اور عمرہ کر کے حلال ہو جائیں پھر اگر وہ اسی سال حج بھی کریں تو آیا ان پر تمتع منہی عنہ کرنے کی وجہ سے دم جنایت واجب ہوگا یا نہیں؟اس بات کا مدار اس مسئلے پر ہے کہ آیا ان کا یہ تمتع منعقد ہوا یا نہیں؟اس مسئلے میں فقہائے حنفیہ کے یہاں بھی دو قول ہیں جنکی تفصیل آگے آرہی ہے لیکن اس خاص صورت میں راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمتع منعقد ہی نہیں ہوا اور دم جنایت اسلئے واجب نہیں ہوگا کہ انہوں نے اشہر حج میں جو عمرہ کیا وہ اپنی خوشی سے نہیں بلکہ ایک شرعی ضرورت سے کیا اور وہ یہ کہ آفاق سے واپسی پر وہ بغیر احرام کے واپس نہیں آسکتے تھے اسلئے عمرے کا احرام باندھ کر آئے جو کوئی جنایت نہیں بلکہ حکم شرعی کی تعمیل تھی اور اگر یہ کہا جائے کہ جب ان کا حج کا ارادہ تھا تو وہ حج افراد ہی کا احرام باندھ کر واپس آتے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اول تو واپس آتے وقت حج کا ارادہ ہونا ضروری نہیں۔دوسرے اس صورت میں احرام کی طوالت کا بھی اندیشہ ہے جو موجب حرج ہے،والحرج مدفوع۔لھٰذا ''یسروا ولا تعسروا'' کا تقاضا یہ ہے کہ چونکہ مکی کے تمتع کے بارے میں احناف کے ہاں دو اقوال موجود ہیں جن میں سے ایک قول کے مطابق انپر جنایت اور دم جنایت لازم نہیں آتا ہے اور اس قول کو خاتمۃ المحققین علامہ شامی رحمہ اللہ،علامہ ابن ھمام رحمہ اللہ اور علامہ امام ابوزید دبوسی رحمہ اللہ سمیت بڑے بڑے فقہاء احنافؒ نے اختیار بھی کیا ہے ،بعض اکابرؒ نے بھی اس قول کو دلائل کے اعتبار راجح قرار دیا مثلا محدث العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ العزیز اس کے بارے میں فرماتے ہیں: "وھذا ھو الحق عندی ،فان الدلیل یساعدہ"تفصیل آگے آرہی ہے،نیز اس قول کو اختیار کرنے میں ائمہ ثلاثہ کے ساتھ بھی موافقت ہو جائیگی۔

اس لئے انکے حق میں اس قول کو اختیار کرتے ہوئے اس صورت میں دم جنایت واجب نہ ہونے کا حکم لگانا راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان حضرات نے عمرہ اور حج کو ایک اشہر حج میں اپنی خوشی سے جمع نہیں کیا بلکہ ایک شرعی تقاضا کو پورا کرنے کے خاطر اسکا ارتکاب ہوا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک کثیر تعداد فقہاء احناف رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ مکی کا تمتع منعقد ہی نہیں ہوتا ہے کیونکہ المام صحیح سے تمتع باطل ہونے میں مکی بھی آفاقی کی طرح ہے اس لئے مکی کا تمتع ہر حال میں باطل ہے خواہ عمرہ کا احرام آفاق سے باندھکر آئے یا عمرہ کا احرام حل سے باندھ کر عمرہ ادا کرے،آفاق میں اشہر حج سے پہلے جائے یا اشہر حج داخل ہونے کے بعد جائے بہر صورت جب وہ عمرہ سے فارغ ہو کر حلال ہوگا تو المام صحیح خود ہو جائیگا جس سے اسکا تمتع باطل ہو جائیگا جب تمتع منعقد نہیں ہوا تو اس پر دم بھی واجب نہیں نہ دم شکر اور نہ ہی دم جبر،خاتمۃ المحققین علامہ شامی رحمہ اللہ کی تحقیق بھی یہی ہے اور یہی کلام ائمہ کا تقاضا بھی ہے۔

صاحب نہایۃ نے بھی اسی کو ترجیح دی۔اسی بات کو علامہ ابو زید دبوسیؒ نے اپنی کتاب ''اسرار الدبوسی'' میں اختیار فرمایا۔قاضی ابو زید دبوسیؒ فرماتے ہیں:مکی کے لئے تمتع ناقابل تصور ہے اس لئے جہاں کہیں مکی کے لئے تمتع کی نفی کی گئی ہے وہاں مراد یہ ہے کہ تمتع صحیح نہیں ہوگا لھٰذا دم بھی واجب نہ ہوگا۔یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جن صورتوں میں مکی کا تمتع مع الکراہۃ صحیح ہونے اور دم لازم ہونے کی بات فقہاء کرامؒ نے تحریر فرمائی ہے ان سے مراد قران ہے نہ کہ تمتع اور مطلب یہ ہے کہ چونکہ المام صحیح مفسد قران نہیں ہے اس لئے مکی کا قران مع الکراہۃ منعقد ہو جاتا ہے اور اساءت کی وجہ سے دم لازم ہوتا ہے۔

عنوان تبویب	مضمون سوال وجواب	نام و پتہ مستفتی

صاحب معارف السنن علامہ بنوری قدس اللہ سرہ العزیز اپنی شہرہ آفاق کتاب ''معارف السنن'' جلد ۶: صفحہ ۲۰ پر اس بارے میں طویل بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ مختصر بات یہ ہے کہ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے یہی بات اختیار فرمائی کہ مکی کا تمتع باطل ہے اور قران مع الکراہۃ جائز ہے۔ پھر اپنے شیخ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ انکے نزدیک یہی حق ہے اور دلیل اسی کی موافقت کرتی ہے کیونکہ فقہاء کرامؒ نے صراحت فرمائی کہ المام صحیح تمتع کے لئے مبطل ہے قران کے لئے نہیں۔ ''وبالجملة اختار ابن عابدين في شرح "الدر المختار" بأن تمتع المكي باطل دون قرانه وان قرانه جائز بالكراهة (الى قوله) وقال الشيخ: وهذا هو الحق عندي، فان الدليل يساعده فانهم صرحوا بأن الالمام الصحيح مبطل للتمتع دون القران وقال الشافعي: ان المكي جاز له القران والتمتع ولا يجب عليه دم وهو مذهب مالك واحمد'' نیز علامہ بنوری قدس اللہ سرہ العزیز نے اپنے شیخ کے حوالے سے یہ بھی لکھا کہ مکی کا تمتع یا قران فاسد ہے یا باطل اسمیں اولاً علامہ ابن ہمامؒ نے تردد فرمایا بلکہ فساد کو ترجیح دی لیکن آخر میں بطلان ہی کے قول کو اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہی کلام ائمہ کا مقتضیٰ ہے اور کلام ائمہ کا اعتبار کرنا ہی اولیٰ ہے۔ "أن تمتع المكي وقرانه فاسدان ويجبران بالدم أو باطلان لا وجود لهما في الشرع؟ وتردد أولاً بل رجح الفساد دون البطلان، ثم اختار البطلان وقال: انه مقتضى كلام الأئمة وكلامهم أولى بالاعتبار وأطال في ذالك" (مزید حوالے عبارت نمبر ۱-۷ اور عبارت نمبر ۱۵ میں درج ہیں جبکہ مزید تفصیل کے واسطے علامہ شیخ طاہر سنبلؒ کی کتاب ''نزهة المشتاق في عمرة المكي والملحق به من الآفاق'' اور علامہ حسین بن محمد سعید عبد الغنی المکیؒ کی کتاب ''ارشاد الهدى الى مناسك ملا علي القاري'' کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔) خیال رہے کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں بھی مکی کے تمتع کا یہی حکم ہے کہ اگر مکی نے تمتع کیا تو اس پر دم تمتع واجب نہ ہوگا۔ جیسا کہ علامہ نوویؒ اپنی کتاب شرح مہذب (۷/۱۶۹) میں لکھتے ہیں: "مذهبنا ان المكي لا يكره له التمتع والقران وان تمتع لم يلزمه دم وبه قال مالك واحمد وداود" اور مدونۃ الکبریٰ (۱/۳۰۰) میں ہے: "وقال مالك: والذين لا دم عليهم إن قرنوا أو تمتعوا في أشهر الحج إنما هم أهل مكة وذي طوى لا غيرهم"

اسکے بر خلاف ایک کثیر تعداد مشائخ احناف رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اِلمام باہلہ اہل مکہ کے واسطے صحت تمتع میں مضر نہیں کیونکہ تمتع اس المام سے باطل ہوتا ہے جب عمرہ سے حلال ہونے کے بعد معتمر اپنے شہر یا قریہ کی طرف سفر کرے پھر لم باہلہ ہو لہذا فقہاء کرامؒ نے جو مکی کا تمتع باطل لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسکا تمتع مسنون باطل ہے، مطلقاً انعقاد تمتع کی نفی مقصد نہیں، لیکن چونکہ یہ ممنوع من التمتع ہے اس لئے اسکا تمتع غیر مشروع طریقہ سے ادا ہوا جسکی وجہ سے منہی عنہ کا ارتکاب لازم آیا اور اس تمتع کی وجہ سے وہ گنہگار بھی ہوگا اور اس پر دم جبر بھی واجب ہوگا۔ علامہ کرمانی، علامہ ابن نجیم، علامہ ملا علی قاری رحمہم اللہ سمیت بہت سے محققین نے اسی بات کو اختیار فرمایا کہ مع الاساءۃ تمتع منعقد ہو جائیگا اور اساءت کی وجہ سے دم جبر لازم ہوگا۔ جسمیں سے نہ خود کھا سکتا ہے اور نہ کسی غنی کو دے سکتا ہے نیز تنگ دست یا معسر ہونے کی صورت میں بھی اس دم کے بدلے روزہ رکھنے کی گنجائش نہ ہوگی، علامہ اسبیجابی اور صاحب تحفہ نے بھی اسی کی صراحت فرمائی، نیز علامہ علاء الدین الحصکفیؒ اور صاحب لباب بھی اسی کے قائل ہیں (حوالے کے واسطے ملاحظہ ہوں عبارات نمبر ۸-۱۱)

(۱) الی غنیۃ الناسک: ص۲۲۲

"المطلب الثاني في عدم تصور تمتع المكي: أما لو خرج المكي الى الكوفة لحاجة في أشهر الحج أو قبلها واعتمر في أشهر الحج وحج من عامه فلا يكون متمتعا بالاتفاق سواء ساق الهدي أو لم يسقه لوجود الالمام الصحيح كذا في عامة الكتب (الى قوله) تنبيه: وما قال الكرماني في منسكه: المكي اذا قرن أو تمتع فان لم يجاوز الميقات الا في أشهر الحج فليس كمتمتع، وعندهما متمتع، وان جاوز الوقت قبل أشهر الحج كان متمتعا عند الكل.

قال في الكبير: هذا الحكم انما هو في قران المكي كما ذكر هو وغيره واما ان تمتعه كذالك فليس في المشاهير ولا غيرها فيما نعلم الا ما في شرح الجمع للمصنف: المكي اذا خرج الى الكوفة وقرن أو تمتع صح اه ولا يصح لأن المانع من التمتع هو الالمام، وبخروجه الى الآفاق قبل أشهر الحج لا يزول هذا المانع، بخلاف القران لأن المانع منه كونه بمكة، وبالخروج منها قبل ذالك زال ذالك لالتحاقه باهل الآفاق، ثم لا يضره الرجوع لأن الالمام لا يبطل القران اه"

"اذا خرج المكي الى الكوفة وقرن صح قرانه ولو خرج الى الكوفة وأهل بالعمرة واعتمر ثم حج لم يكن متمتعاً لأنه صار ملماً بأهله بين الحج والعمرة ولو أن المكي خرج الى الكوفة وأحرم بعمرة وساق الهدى لم يكن متمتعاً وصح المامه مع سوق الهدى بخلاف الكوفي لأن العود مستحق على الكوفي فمنع صحة الالمام والعود غير مستحق على المكي فلا يمنع صحة الالمام

(٣)وأيضاً في غنية الناسك:ص٢٢١

"والحاصل أن المكي كالآفاقي في أنه يبطل تمتعه بالإلمام،ولا يكره له صورة التمتع،ولا يلزم دم جبر، لأنه لا جبر لما لم يوجد شرعاً،ولكن قد يقال:إن المكي،وإن بطل تمتعه،بقطعه الإلمام حتى صار فرداً بهما حقيقةً،لكنه تمتع صورةً،فينبغي أن يكره له،ويجب عليه دم جبر لارتكاب النهي بإتيان صورة التمتع،لأنه تمتع من وجه،قال في "الفتح":واتفقوا على عدم وجود الباطل شرعاً،مع ارتكاب النهي،بإتيان صورته،كبيع الخمر ليس بيع شرعي مع ارتكاب النهي بإتيان صورة البيع بل سيأتي التصريحات بوجوب الدم عليه بإتيان صورة التمتع في المطلب الثاني،وفي تفريعات الإلمام،بخلاف الآفاقي الملم بأهله لأنه لم ينه عن تمتعه ذلك،فلا يكره له،وأما المكي فقد نهي عن التمتع والقران بقوله تعالى:﴿ذلك لمن لم يكن أهله﴾الآية،فإن اللام للاختصاص،واختصاصهما بمن لم يكن من حاضري المسجد الحرام في معنى النهي عنهما لحاضري المسجد الحرام،وأيضاً في قوله في "النهاية" وغيرها:ولا يكره له ذلك بنا فيه قول المتون،ولا تمتع ولا قران لمكي،لأن المراد به نفي الحل اتفاقاً،إلا أن يدعي أنه المراد به في حق القران،اما في حق التمتع:فالمراد به نفي الوجود شرعاً،و كذا كون الاختصاص في معنى النهي إنما هو بالنسبة إلى القران،اما بالنسبة إلى التمتع:فهو نفي وإخبار عن عدمه لا نهي،انتهى التنبيه.

وأما أكثر المشايخ فقالوا:بصحة تمتع المكي كقرانه،لأن النهي يقتضي صحة الأصل،ولذا صح قرانه اتفاقاً،فلو تمتع جاز،وأساء وعليه دم جبر،كما في "الدر" و"اللباب" وغيرهما.

(٤)وفي بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - (ج ٥ / ص ٥٢)

"ولو خرج المكي إلى الكوفة فأحرم بها للعمرة ثم دخل مكة فأحرم بها للحج لم يكن متمتعا ؛ لأنه حصل له الإلمام بأهله بين الحجة والعمرة، فمنع التمتع كالكوفي إذا رجع إلى أهله، وسواء ساق الهدي أو لم يسق، يعني إذا أحرم بالعمرة بعد ما خرج إلى الكوفة، وساق الهدي لم يكن متمتعا،وسوقه الهدي لا يمنع صحة إلمامه بخلاف الكوفي؛ لأن الكوفي إنما يمنع سوق الهدي صحة إلمامه ؛ لأن العود مستحق عليه .فأما المكي فلا يستحق عليه العود، فصح إلمامه مع السوق كما يصح مع عدمه.ولو خرج المكي إلى الكوفة فقرن صح قرانه؛ لأن القران يحصل بنفس الإحرام، فلا يعتبر فيه الإلمام فصار بعوده إلى مكة كالكوفي إذا قرن ثم عاد إلى الكوفة.وذكر ابن سماعة عن محمد أن قران المكي بعد خروجه إلى الكوفة إنما يصح إذا كان خروجه من مكة قبل أشهر الحج."

(٥)وفي العناية شرح الهداية - (ج ٤ / ص ٥٣)

وقوله : (ومن كان داخل الميقات فهو بمنزلة المكي حتى لا يكون له متعة ولا قران) هذا راجع إلى تفسير { حاضري المسجد الحرام } فعندنا هم أهل مكة ، ومن كان داخل الميقات سواء كان بينه وبين مكة مسيرة سفر أو لم يكن ، وعند الشافعي : هم أهل مكة ومن حولها إذا لم يكن بينه وبين مكة مسيرة سفر ، كذا في مبسوط شيخ الإسلام.وقوله : (بخلاف المكي) متصل بقوله وليس لأهل مكة تمتع ولا قران:يعني ليس له ذلك ما دام بمكة، بخلاف ما(إذا خرج إلى الكوفة وقرن حيث يصح) بلا كراهة (لأن عمرته وحجته ميقاتيتان فصار بمنزلة الآفاقي) قال المحبوبي: هذا إذا خرج إلى الكوفة قبل أشهر الحج ، وأما إذا خرج بعدها فقد منع من القران فلا يتغير بخروجه من الميقات.وإنما خص القران بالذكر لأنه إذا خرج المكي إلى الكوفة واعتمر لا يكون متمتعا على ما نذكره .(وإذا عاد المتمتع إلى بلده بعد فراغه من العمرة و لم يكن ساق الهدي بطل تمتعه) ؛ لأنه ألم بأهله فيما بين النسكين إلماما صحيحا وبذلك يبطل التمتع ، كذا روي عن عدة من التابعين، وإذا ساق الهدي فإلمامه لا يكون صحيحا ولا يبطل تمتعه عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله.وقال محمد رحمه الله يبطل ؛ لأنه أداهما بسفرتين.ولهما أن العود مستحق عليه ما دام على نية التمتع ؛ لأن السوق يمنعه من التحلل فلم يصح إلمامه ، بخلاف المكي إذا خرج إلى الكوفة وأحرم بعمرة وساق الهدي حيث لم يكن متمتعا ؛ لأن العود هناك غير مستحق عليه فصح إلمامه بأهله."

(٦)وفي حاشية ابن عابدين ج: ٢ ص: ٥٣٩

"(قوله ومن في حكمه) أي من أهل داخل المواقيت (قوله يفرد فقط) هذا ما دام مقيما فإذا خرج إلى الكوفة وقرن صح بلا كراهة لأن عمرته وحجته ميقاتيتان فصار بمنزلة الآفاقي قال المحبوبي هذا إذا خرج إلى الكوفة قبل أشهر الحج وأما إذا خرج بعدها فقد منع من القران فلا يتغير بخروجه من الميقات كذا في العناية وقول المحبوبي هو الصحيح نقله الشيخ الشلبي عن الكرماني شرنبلالية وإنما قيد بالقران لأنه لو اعتمر هذا المكي في أشهر الحج من عامه لا يكون متمتعا لأنه ملم بأهله بين النسكين حلالا إن لم يسق الهدي و كذا إن ساق الهدي لا يكون متمتعا بخلاف الآفاقي إذا ساق الهدي ثم ألم بأهله محرما كان متمتعا لأن العود مستحق عليه فيمنع صحة إلمامه وأما المكي فالعود غير مستحق عليه وإن ساق الهدي فكان إلمامه صحيحا فلذا لم يكن متمتعا كذا في النهاية عن المبسوط قوله ولو قرن أو تمتع جاز وأساء الخ أي صح مع الكراهة للنهي عنه وهذا ما مشى عليه في التحفة و غاية البيان و العناية و السراج و شرح الإسبيجابي على مختصر الطحاوي.واعلم أنه في الفتح ذكر إن قولهما لا تمتع ولا قران لمكي يحتمل نفي الوجود ويؤيده أنهم جعلوا الإلمام الصحيح من الآفاقي مبطلا تمتعه والمكي ملم بأهله فيبطل تمتعه ويحتمل نفي الحل بمعنى أنه يصح لكنه يأثم به للنهي عنه وعليه فاشتراطهم عدم الإلمام لصحة التمتع بمعنى أنه شرط لوجوده على الوجه المشروع الموجب شرعا للشكر وأطال الكلام في ذلك والذي حط عليه كلامه اختيار الاحتمال الأول لأنه مقتضى كلام أئمة المذهب وهو أولى بالاعتبار من كلام بعض المشايخ يعني صاحب التحفة وغيره بل اختار أيضا منع المكي من العمرة المفردة في أشهر الحج وإن لم يحج وهو ظاهر عبارة البدائع وخالفه من بعده كصاحب البحر و النهر و المنح والشرنبلالي والقاري واختاروا الاحتمال الثاني لأن إيجاب دم الجبر فرع للصحة ولما في المتون في باب إضافة الإحرام إلى الإحرام من أن المكي إذا طاف شوطا للعمرة فأحرم بحج رفضه فلو لم يرفض شيئا أجزأه قال في الفتح وغيره لأنه أدى أفعالهما كما التزمهما إلا أنه منهي والنهي عن فعل شرعي لا يمنع تحقق الفعل على وجه مشروعية الأصل غير أنه يتحمل إثمه كصيام يوم النحر بعد نذره اه فهذا يناقض ما اختاره في الفتح أولا أي فإن هذا تصريح بأنه يتصور قران المكي لكن مع الكراهة وتمامه في الشرنبلالية أقول وقد كتبت على هامشها تحتا حاصله أنهم صرحوا بأن عدم الإلمام شرط لصحة التمتع دون القران وأن الإلمام الصحيح مبطل للتمتع دون القران ومقتضى هذا أن تمتع المكي باطل لوجود الإلمام الصحيح بين إحراميه سواء ساق الهدي أو لا لأن الآفاقي إنما يصح إلمامه إذا لم يسق الهدي وحلق لأنه لا يبقى العود إلى مكة مستحقا عليه والمكي لا يتصور منه عدم العود إلى مكة لكونه فيها كما صرح به في العناية وغيرها وفي النهاية و المعراج عن المبسوط أن الإلمام الصحيح أن يرجع

إلى أهله بعد العمرة ولا يكون العود إلى العمرة مستحقا عليه ومن هذا قلنا لا تمتع لأهل مكة وأهل المواقيت اه أي بخلاف القران فإنه يتصور منهم لأن عدم الإلمام فيه ليس بشرط ولعل وجهه أن القران المشروع ما يكون بإحرام واحد للحج والعمرة معا والإلمام الصحيح ما يكون بين إحرام العمرة وإحرام الحج وهذا يكون في التمتع دون القران فمن هذا قلنا إن تمتع المكي باطل دون قرانه هذا قول ثالث لم أر من صرح به لكن يدل عليه تصريح البدائع بعدم تصور تمتع المكي وأما قوله في الشرنبلالية إنه خاص بمن لم يسق الهدي وحلق دون من ساقه أو لم يسقه و لم يحلق لأن إلمامه حينئذ غير صحيح فغير صحيح لما علمت من التصريح بأن إلمامه صحيح ساق الهدي أو لا ويدل عليه أيضا عبارة المحيط المذكور وكذا ما مر من الفرع المذكورة في باب إضافة الإحرام فإنه صريح في عدم بطلان قرانه ثم رأيت ما يدل على ذلك أيضا وذلك ما في النهاية عن الأسرار للإمام أبي زيد الدبوسي حيث قال ولامتعة عندنا ولا قران لمن كان وراء الميقات على معنى أن الدم لا يجب نسكا أما التمتع فإنه لا يتصور للإمام الذي يوجد منه بينهما وأما القران فيكره ويلزمه الرفض لأن القران أصله أن يشرع القارن في الإحرامين معا والشروع معا من أهل مكة لا يتصور إلا بخلل في أحدهما لأنه إن جمع بينهما في الحرم فقط أخل بشرط إحرام العمرة فإن ميقاته الحل وإن أحرم بهما من الحل فقد أخل بميقات الحجة لأن

ميقاتها الحرم والأصل في ذلك أهل مكة فلهذا لم يشرع في حق من وراء الميقات أيضا اه أي إن من كان وراء الميقات أي داخله لهم حكم أهل مكة فهذا صريح في أهل مكة ومن في حكمهم لا يتصور منهم التمتع ويتصور منهم القران لكن مع الكراهة للإخلال بميقات أحد الإحرامين ثم رأيت مثل ذلك أيضا في كافي الحاكم الذي هو جمع كتب ظاهر الرواية ونصه وإذا خرج المكي إلى الكوفة لحاجة فاعتمر فيها من عامه وحج لم يكن متمتعا وإن قرن من الكوفة كان قارنا اه ونقله في الجوهرة معللا موضحا فراجعها وعلى هذا فقول المتون ولا تمتع ولا قران لمكي معناه نفي المشروعية والحل ولا ينافي عدم التصور في أحدهما دون الآخر والقرينة على هذا تصريحهم بعده ببطلان التمتع بالإلمام الصحيح فيما لو عاد المتمتع إلى بلده وتصريحهم في باب إضافة الإحرام بأنه إذا قرن و لم يرفض شيئا منهما أجزأه هذا ما ظهر لي فاغتنمه فإنك لا تجده هذا الكتاب والله تعالى أعلم بالصواب"

(٧)وفي درر الحكام شرح غرر الأحكام - (ج ٣ / ص ١٢١)

"(قوله المكي يفرد فقط) أقول كذلك أهل ما دون المواقيت إلى الحرم، وهذا ما دام مقيما بمكة أو وطنه فإذا خرج إلى الكوفة وقرن صح بلا كراهة ؛ لأن عمرته وحجته ميقاتان فصار بمنزلة الآفاقي قال المحبوبي رحمه الله هذا إذا خرج إلى الكوفة قبل أشهر الحج وأما إذا خرج بعدها فقد منع من القران فلا يتغير بخروجه من الميقات كذا في العناية وقول المحبوبي هو الصحيح نقله الشيخ الشلبي عن الكرماني ثم قال في العناية، وإنما خص القران بالذكر ؛ لأنه إذا خرج المكي إلى الكوفة واعتمر لا يكون متمتعا على ما نذكره اهـ قلت هذا مبني على نحو ما ذكره في البدائع من أن التمتع لا يتصور من المكي ؛ لأن شرطه أن لا يلم بأهله بعد العمرة إلماما صحيحا والمكي إلمامه صحيح وليس ذلك إلا في إحدى صورتي التمتع كما نذكره (قوله أي لا تمتع له، ولا قران) أقول المراد نهيه عن الفعل لا نفي الفعل لما نذكر من أن النهي يقتضي المشروعية فإن فعل القران صح وأساء كما يذكره المصنف في إضافة الإحرام إلى الإحرام هذا وقال صاحب البحر ظاهر الكتب متونا وشروحا وفتاوى أنه لا يصح منهم أي أهل مكة تمتع، ولا قران.وفي التحفة أنه يصح تمتعهم وقرانهم فإنه نقل في غاية البيان عنها أنهم لو تمتعوا جاز وأساءوا و يجب عليهم دم الجبر وهكذا ذكر الإسبيجابي اهـ .

وقال الكمال مقتضى كلام أئمة المذهب أي المقتضي لعدم الصحة أولى بالاعتبار من بعض المشايخ يعني به صاحب التحفة القائل بالصحة مع الإساءة اهـ .قلت قد ذكر في الهداية في باب إضافة الإحرام إلى الإحرام كما قاله صاحب التحفة وكذلك في الكنز وغيره من الشروح والمتون أن المكي إذا طاف شوط العمرة فأحرم بحج رفضه فإن مضى المكي عليهما و لم يرفض شيئا أجزأه قال الكمال ؛ لأنه أدى أفعالهما كما التزمهما غير أنه منهي عنه بقوله تعالى { ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام } يعني التمتع والقران دخل في مفهومه وسماه المصنف أي صاحب الهداية لها باعتبار المعنى وهو عن فعل شرعي فلا يمنع تحقق الفعل على وجه المشروعية بأصله غير أنه يتحمل إثمه كصيام يوم النحر بعد أن نذره ا هـ .وقال الشيخ أكمل الدين في العناية ، وإن مضى أي المكي عليهما وأداهما أجزأه ؛ لأنه أدى أفعالهما كما التزمهما غير أنه منهي والنهي لا يمنع تحقق الفعل على ما عرف من أصلنا أن النهي يقتضي المشروعية دون النفي قيل : ذكر المصنف أي صاحب الهداية رحمه الله تعالى في أول المسألة أن الجمع بينهما في حق المكي غير مشروع ثم ذكر هاهنا أنه لا يمنع تحقق الفعل ومعناه كما قلنا إنه يقتضي المشروعية فكان التناقض في كلامه ، وأجيب بأنه أراد بقوله غير مشروع غير مشروع كاملا في حق الآفاقي وبه يندفع التناقض ا هـ .

(٨)وفي مناسك ملا علي القاري:ص ٢٨٤

"وأما الجواب عن الالمام فهو ان المام أهل مكة ليس يضرهم لما وقع اتفاق علماء الأعلام من أن الآفاقي اذا كان معه أهل صح له التمتع،وانما يضره الالمام اذا كان بعد فراغه من عمرته،سافر إلى بلده أو قريته من نحو كوفة أو بصرة ونزل بأهله كما هو مقرر في محله وهذا غاية التحقيق والله ولي التوفيق"

(٩)وفي غنية الناسك:ص ٢٢١

"وأما أكثر المشائخ فقالوا بصحة تمتع المكي كقرانه لأن النهي يقتضي صحة الأصل ولذا صح قرانه اتفاقاً فلو تمتع جاز وأساء وعليه دم جبر كما في الدر واللباب وغيرهما"

(١٠)وفي البحر الرائق ج: ٢ ص: ٣٩٣

"ثم ظاهر الكتب متونا وشروحا وفتاوى أنه لا يصح منهم تمتع ولا قران لقولهم وإذا عاد المتمتع إلى أهله و لم يكن ساق الهدي بطل تمتعه قال في غاية البيان ولهذا قلنا لم يصح تمتع المكي لوجود الإلمام الصحيح ومقتضاه أنه لو أحرم بعمرة في أشهر الحج وحل منها ثم أحرم بحج فإنه لا يلزمه دم لكن صرح في التحفة بأنه يصح تمتعهم وقرانهم فإنه نقل في غاية البيان عنها أنهم لوتمتعوا جاز وأساؤا ويجب عليهم دم الجبر وهكذا ذكر الأسبيجابي ثم قال ولا يباح لهم الأكل من ذلك الدم ولا يجزئهم الصوم إن كانوا معسرين فتعين أن يكون المراد بالنفي في قولهم لا تمتع ولا قران لمكي نفي الحل لا نفي الصحة ولذا وجب دم جبر لو فعلوا هو فرع الصحة واشتراطهم عدم الالمام فيما بينهما إنما هو للتمتع المنتهض سببا للثواب المترتب عليه وجوب دم الشكر فالحاصل أن المكي إذا أحرم بعمرة في أشهر الحج فإن كان من نيته الحج من عامه فإنه يكون آثما لأنه عين التمتع المنهي عنه لهم فإن حج من عامه لزمه دم جناية لا دم شكر وإن لم يكن من نيته الحج من عامه و لم يحج فإنه لا يكون آثما بالاعتمار في أشهر الحج لأنهم وغيرهم سواء في رخصة الاعتمار في أشهر الحج وما في البدائع من أن الاعتمار في أشهر الحج للمكي معصية محمول على ما إذا حج من عامه وإذا قرن فإنه

يكون آثما أيضا ويلزمه دم جناية وفي الهداية بخلاف المكي إذا خرج إلى الكوفة وقرن حيث تصح لأن عمرته وحجته ميقاتيتان فصار بمنزلة الآفاقي قال
الشارحون قيد بالقران لأنه لو تمتع فإنه لا يصح ويلزمه دم جناية لوجود الإلمام الصحيح بينهما فقد فرقوا بين التمتع والقران فشرطوا في التمتع عدم الإلمام دون
القران الخ"

(١١)وفي فتح القدير ج: ٢ ص: ٤٢٨

"قوله وليس لأهل مكة تمتع ولا قران يحتمل نفي الوجود أي ليس يوجد لهم حتى لو أحرم مكي بعمرة أو بهما وطاف للعمرة في أشهر الحج ثم حج من عامه لا يكون متمتعا ولا قارنا ويوافقه ما سيأتي في الكتاب من قوله وإذا عاد المتمتع إلى بلده بعد فراغه من العمرة و لم يكن ساق الهدي بطل تمتعه لأنه ألم بأهله فيما بين النسكين إلماما صحيحا وذلك يبطل التمتع فأفاد أن عدم الإلمام شرط لصحة التمتع فينتفي لانتفائه وعن ذلك أيضا خص القران في قوله بخلاف المكي إذا خرج إلى الكوفة وقرن حيث يصح لأن عمرته وحجته ميقاتيتان قالوا خص القران لأن التمتع منه لا يصح لأنه ملم بأهله بعد العمرة ويحتمل نفي الحل كما يقال ليس لك أن تصوم يوم النحر ولا أن تتنفل بالصلاة عند الطلوع والغروب حتى لو أن مكيا اعتمر في أشهر الحج وحج من عامه أو جمع بينهما كان متمتعا أو قارنا آثما بفعله إياهما على وجه منهي عنه وهذا هو المراد بحمل ما قدمناه من اشتراط عدم الإلمام للصحة على اشتراطه لوجود التمتع الذي لم يتعلق به نهي شرعا المنتهض سببا للشكر ويوافقه ما في غاية البيان ليس لأهل مكة تمتع ولا قران ومن تمتع منهم أو قرن كان عليه دم وهو دم جناية لا يأكل منه وصح عن عمر رضي الله عنه أنه قال ليس لأهل مكة تمتع ولا قران وقال في التحفة ومع هذا لو تمتعوا جاز وأساءوا وعليهم دم الجبر وسنذكر من كلام الحاكم صريحا اه ومن حكم هذا الدم أن لا يقوم الصوم مقامه حالة العسرة فإذا كان الحكم في الواقع لزوم دم الجبر لزم ثبوت الصحة لأنه لا جبر إلا لما وجد بوصف النقصان لا لما لم يوجد شرعا فإن قيل يمكن كون الدم للاعتمار في أشهر الحج من المكي لا للتمتع منه وهذا فاش بين حنفية العصر من أهل مكة ونازعهم في ذلك بعض الآفاقيين من الحنفية من قريب وجرت بينهم شئون ومعتمد أهل مكة ما وقع في البدائع من قوله ولأن دخول العمرة في أشهر الحج وقع رخصة لقوله تعالى الحج أشهر معلومات قيل في بعض وجوه التأويل أي للحج أشهر معلومات واللام للاختصاص فاختصت هذه الأشهر بالحج وذلك بأن لا يدخل فيها غيره إلا أن العمرة دخلت فيها رخصة للآفاقي ضرورة تعذر إنشاء سفر للعمرة نظرا له وهذا المعنى لا يوجد في حق أهل مكة ومن بمعناهم فلم تكن العمرة مشروعة في أشهر الحج في حقهم فبقيت العمرة في أشهر الحج في حقهم معصية اه وفيه بعض اختصار والذي ذكره غير واحد خلافه وقد صرحوا في جواب الشافعي لما أجاز التمتع للمكي وقال في بعض الأوجه نسخ منع العمرة في أشهر الحج عام فيتناول المكي كغيره فقالوا أما النسخ فثابت عندنا في حق المكي أيضا حتى يعتمر في أشهر الحج ولا يكره له ذلك ولكن لا يدرك فضيلة التمتع إلى آخر ما سنذكره إن شاء الله تعالى فإنكار أهل مكة على هذا اعتمار المكي في أشهر الحج إن كان لمجرد العمرة فخطأ بلا شك وإن كان لعلمهم بأن هذا الذي اعتمر منهم ليس بحيث يتخلف عن الحج إذا خرج الناس للحج بل يحج من عامه فصحيح بناء على أنه حينئذ إنكار لمتعة المكي لا لمجرد متعته فإذا ظهر لك صريح هذا الخلاف منه في إجازة العمرة من حيث هي بمجرد عمرة في أشهر الحج ومنعها وجب أن يتفرع عليه ما لو كرر المكي العمرة في أشهر الحج وحج من عامه هل يتكرر الدم عليه فعلى من صرح بحلها له وأن المنع ليس إلا لتمتعه لا يتكرر عليه لأن تكرره لا أثر عليه في ثبوت تكرر تمتعه فإنما عليه دم واحد لأنه تمتع مرة واحدة وعلى من منع نفس العمرة منه وأثبت أن نسخ حرمتها إنما هو للآفاقي فقط ينبغي أن يتكرر الدم بتكررها والله أعلم وإنما النظر بعد ذلك في أولى القولين ونظر هؤلاء إلى العمومات مثل دخلت العمرة في الحج وصريح منع المكي شرعا لم يثبت إلا بقوله تعالى ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام وهو خاص بالجمع تمتعا فيبقى فيما وراءه على أن للآخر أن يقول دليل التخصيص مما يصح تعليله ويخرج به معه وتعليل منع الجمع المتبادر منه أن يحصل الرفق ودفع المشقة الآتية من قبل تعدد السفر أو إطالة الإقامة وذلك خاص فيبقى المنع السابق على ما كان ويختص النسخ بالآفاقي وللنظر بعد ذلك مجال والله سبحانه الموفق ثم ظهر لي بعد نحو ثلاثين عاما من كتابة هذا الكتاب أن الوجه منع العمرة للمكي في أشهر الحج سواء حج من عامه أولا لأن النسخ خاص لم يثبت إذ المنقول من قولهم العمرة في أشهر الحج من أفجر الفجور لا يعرف إلا من كلام الجاهلية دون أنه كان في شريعة إبراهيم عليه الصلاة والسلام أو غيره و لم يبق إلا النظر في الآية وحاصله عام مخصوص فإن قوله ذلك الخ تخصيص من تمتع بالعمرة إلى الحج لأنه مستقل مقارن واتفقوا في تعليله بأن تجويزه للآفاقي لدفع الحرج كما عرف ومنعه من المكي لعدمه ولا شك أن عدم الحرج في عدم الجمع لا يصلح علة لمنع الجمع لأنه إذا لم يحرج بعدم الجمع لا يقتضي أن يتعين عليه عدمه بل إنما يصلح عدم الحرج في عدم الجمع أن يجوز له كل من عدم الجمع والجمع لأنه كما لم يحرج في عدم الجمع لا يحرج في الجمع فحين وجب عدم الجمع لم يكن إلا لأمر زائد وليس هنا سوى كونه في الجمع موقعا العمرة في أشهر الحج ثم لا شك أن منع نفس العمرة في أشهر الحج للمكي متعين على الاحتمال الأول الذي أبديناه في قوله وليس لأهل مكة تمتع ولا قران الخ وهو أن العمرة لا تتحقق منه أصلا لأنه إذا لم يتحقق منه حقيقة التمتع الشرعية لا يكون منعه من التمتع إلا للعمرة فكان حاصل منع صورة التمتع إما لمنع العمرة أو الحج والحج غير ممنوع منه فتعينت العمرة غير أني رجحت أنها تتحقق ويكون مستأنسا بقول صاحب التحفة لكن الأوجه خلافه لتصريح أهل المذهب من أبي حنيفة وصاحبيه في الآفاقي الذي يعتمر ثم يعود إلى أهله و لم يكن ساق الهدي ثم حج من عامه بقولهم بطل تمتعه وتصريحهم بأن من شرط التمتع مطلقا أن لا يلم بأهله بينهما إلماما صحيحا ولا وجود للمشروط قبل وجود شرطه ولا شك أنهم قالوا بوجود الفاسد مع الإثم و لم يقولوا بوجود الباطل شرعا مع ارتكاب النهي كبيع الحر ليس ببيع شرعي ومقتضى كلام أئمة المذهب أولى بالاعتبار من كلام بعض المشايخ وإنما لم نسلك في منع العمرة في أشهر الحج مسلك صاحب البدائع لأنه بناه على أمر لم يلزم ثبوته على الخصم وهو قوله جاء في بعض الأوجه أن المراد للحج أشهر واللام للاختصاص وهذا مما للخصم منعه ويقول بل جاز كون المراد أن الحج في أشهر معلومات فيفيد أنه يفعل فيها لا في غيرها وهو لا يستلزم أن لا يفعل فيها غيره والله أعلم"

سے بقصدِ ارتحال و اعراض اپنے اہل و ثقل کے ساتھ انشاء سفرِ شرعی کرتا ہے تو وطن اقامت باطل ہو جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی معتمد ہے۔ کیونکہ کتب فقہ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ متون میں ایک حکم مطلقا بیان کیا گیا لیکن مشائخ نے اصول اور علت کی بناء پر اسکو مقید فرمالیا مثلا وطن اصلی سے وطن اصلی کا باطل ہونا بھی عام طور پر متون میں مطلق ہے کہ ''وطن اصلی بوطن اصلی باطل شود'' یا ''یبطل الوطن الاصلی بمثلہ'' وغیرہ دیکھئے: مالا بد منہ، کنز، وقایہ، تنویر الابصار، نور الایضاح اور غرر الاحکام وغیرہ۔

مگر مشائخ اور شارحینؒ نے اس بطلان کے لئے پہلے وطن اصلی سے اعراض کی قید لگائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متون میں بیان کردہ اس قاعدہ کے باوجود وطن اصلی کا تعدد جائز ہے، اگر متون کے اطلاق کو مدنظر رکھا جائے تو تعدد وطن اصلی کی کوئی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔ اور اس اعراض کی قید کی وجہ یہ ہے کہ متوطن نے اس وطن کو ہمیشہ رہنے کے واسطے ایک مرتبہ متعین کرلیا ہے اسلئے یہاں رہنا اس کا اصل ہے اور یہاں سے سفر کرنا عارض ہے اور بطلان وطن میں قاعدہ یہ ہے کہ شئی ماہو اقویٰ منہ کو باطل نہیں کرسکتی چونکہ اصل قوی ہے اور عارض ضعیف ہے اس لئے ضعیف قوی کو باطل نہیں کرسکتا ہے۔ اسی طرح جب کسی وطن اقامت میں یہ صفت پیدا ہو جائے کہ اس میں رہنا اصل ہو اور وہاں سے سفر کرنا عارض ہو تو ایسا وطن اقامت بھی اعراض عن التوطن کے ساتھ بصورتِ ارتحال انشاء سفر سے باطل ہوگا سفرِ محض سے نہیں، یعنی اپنی رہائش کو ختم کرکے اپنے ساز وسامان کے ساتھ سفر ہو تاہم اس اعراض کی صورتیں مختلف ہوسکتی ہیں۔ مثلاً بعض وطن اقامت تو محض پندرہ بیس روز ہی کے قیام کے واسطے کسی وقتی ضرورت کے لئے عارضی طور پر مقرر ہوتے ہیں اور مقیم جب قضائے حاجت کے بعد اپنے ساز وسامان کے ساتھ وہاں سے سفر کرلیتا ہے تو یہ سفر ہی اعراض عن التوطن کی دلیل ہوتی ہے اس لئے انشاء سفر کرتے ہی اسکا یہ وطن اقامت باطل ہو جاتا ہے لیکن بعض وطن اقامت ایسا بھی ہے کہ مقیم نے اگرچہ ہمیشہ رہنے کے لئے تو اسے متعین نہیں کیا (کہ ہم اسے وطن اصلی قرار دے دیں) لیکن ایک

طویل مدت مقررہ کی رہائش کی غرض سے اسے متعین کرلیا ہے اس لئے اس میں بھی وہ صفت پیدا ہوگئی کہ یہاں مدتِ مقررہ تک رہنا اصل ہے اور یہاں سے سفر کرنا عارض ہے لھذا اسکا بطلان بھی انشاء سفر مع اعراض عن التوطن کے ساتھ مقید ہے۔ اس مسئلے میں حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی قدس اللہ سرہ العزیز نے بھی تحقیق فرمائی ہے اور اس پر حضرت کا ایک مستقل رسالہ ''وطن الارتحال۔ یبقیٰ ببقاء الاثقال'' کے نام سے موجود ہے جو احسن الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۱۰۷ پر موجود ہے۔

خیال رہے کہ اس موقف کے بارے میں یہ رائے قائم کرنا ٹھیک نہیں ہوگا کہ صرف بحر کی عبارت: ''وطن الإقامة يبقى ببقاء الثقل وإن أقام بموضع آخر اھـ ." سے استدلال کرتے ہوئے یہ رائے قائم کی گئی ہے بلکہ اصل حقیقت وہی ہے جسکی کچھ تفصیل اوپر عرض کردی گئی ہے۔

فی الجوهرة النيرة - (ج ۱ / ص ۳۴۱)

(قوله:وإذا دخل المسافر مصره أتم الصلاة وإن لم ينو المقام فيه) سواء دخله بنية الاجتياز أو دخله لقضاء حاجة؛ لأن مصره متعين للإقامة فلا يحتاج إلى نية."

وفی تحفة الفقهاء - (ج ۱ / ص ۱۵۲)

"وأما الثالث:فهو بدخول مصره الذي هو وطنه الإصلي، يصير مقيما، وإن لم ينو الاقامة.

ولا يختلف الجواب بين ما إذا دخل مصره مجتازا، أو لقضاء حاجة حدثت مع نية الخروج، أو بدا له أن يترك السفر، لان

... ولا يحتاج فيه إلى النية."

وفي بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - (ج ۱ / ص ۱۰۴)

"(ووطن) الإقامة ينتقض بالوطن الأصلي؛ لأنه فوقه، وبوطن الإقامة أيضا؛ لأنه مثله، والشيء يجوز أن ينسخ بمثله، وينتقض بالسفر أيضا؛ لأن توطنه في هذا المقام ليس للقرار ولكن لحاجة، فإذا سافر منه يستدل به على قضاء حاجته فصار معرضا عن التوطن به، فصار ناقضا له دلالة، ولا ينتقض وطن الإقامة بوطن السكنى؛ لأنه دونه فلا ينسخه."

وفي رد المحتار - (ج ۲ / ص ۱۲۴)

"(قوله حتى يدخل موضع مقامه) أي الذي فارق بيوته سواء دخله بنية الاجتياز أو دخله لقضاء حاجة لأن مصره متعين للإقامة فلا يحتاج إلى نيته جوهرة"

وفي البحر الرائق شرح كنز الدقائق - (ج ٥ / ص ١١٥)

"وفي المحيط، ولو كان له أهل بالكوفة، وأهل بالبصرة فمات أهله بالبصرة وبقي له دور وعقار بالبصرة قيل البصرة لا تبقى وطنا له؛ لأنها إنما كانت وطنا بالأهل لا بالعقار، ألا ترى أنه لو تأهل ببلدة لم يكن له فيها عقار صارت وطنا له، وقيل تبقى وطنا له؛ لأنها كانت وطنا له بالأهل والدار جميعا فبزوال أحدهما لا يرتفع الوطن كوطن الإقامة يبقى ببقاء الثقل وإن أقام بموضع آخر اهـ."

وفي مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - (ج ۲ / ص ۲٦)

"(ويبطل الوطن الأصلي) وهو البلدة أو القرية التي ولد بها أو تأهل فيها (بمثله) ألا يرى أنه عليه الصلاة والسلام بعد الهجرة عد نفسه بمكة من المسافرين حتى قصر .وفي محيط السرخسي:لو كان له أهل بالكوفة وأهل بالبصرة فمات أهله بالبصرة وبقي له دور وعقار بالبصرة قيل: البصرة لا تبقى وطنا له لأنه إنما كانت وطنا له بالأهل لا بالعقار ألا ترى أنه لو تأهل ببلدة و لم يكن عقار صارت وطنا له وقيل تبقى وطنا له لأنه كانت وطنا له بالأهل والدار جميعا فبزوال أحدهما لا يرتفع الوطن كموطن الإقامة يبقى ببقاء الثقل (لا بالسفر) أي لا يبطل الوطن الأصلي بالسفر بل بمجرد دخول المسافر إلى وطنه الأصلي يصير مقيما ولا يفتقر إلى نية الإقامة."

والله اعلم بالصواب

احقر شاہ محمد تفضل علی

دار الافتاء دار العلوم کراچی

۲۵/۱/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۲۵ - ۱ - ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

بندہ [illegible]

۱۴۲۹-۱-۲۵ھ